جانور خریدنے کا نیا طریقہ، جس میں جانور کا وزن کر کے ریٹ فائنل کیا جاتا ہے، ایسی خریداری کے جائز ہونے پر تفصیلی دلائل اور علمی اشکالات کے جوابات پر مشتمل رسالہ بنام:

اِزَالَۃُ الاِشْکَالَاتِ فَصْلًا فِی بَیْعِ الحَیَوَانَاتِ وَزْنًا

زندہ جانوروں کی تول کر خرید و فروخت

(فقہی دلائل کی روشنی میں)

تصنیف:

مفتی محمد ساجد عطاری مد ظلہ العالی

پیشکش: مجلسِ افتاء (دعوتِ اسلامی)

مَرکزُ الاقتصادِ الاسلامی

Islamic Economics Centre (Lahore)

فہرست

پیشِ لفظ

روز مرہ کی ضروریات کی بہت سی چیزیں انسان کے پاس موجود نہیں ہوتیں، بلکہ اس نے دوسروں سے لینی ہوتی ہیں۔ اب ضرورت مند انسان اپنی ضرورت کی چیز کسی دوسرے سے لینا چاہے، تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے چھین لے، لیکن ظاہر ہے یہ طریقہ نظامِ دنیا میں فساد کا باعث بنے گا۔ اور اسلام اسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس کے لئے بہترین طریقہ تجارت ہے۔ لیکن اسلام نے تجارت کی بھی کچھ حدود بیان کر دی ہیں۔ اور ان صورتوں سے منع کر دیا ہے، جن میں فساد و لڑائی جھگڑے کا خطرہ تھا۔ اور اسی لئے اسلام نے مالی معاملات و تجارتی معاہدوں میں شفافیت اور فریقین کی باہمی رضا مندی لازم قرار دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: "اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔" (سورہ نساء، آیت: 29)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک طرف باطل طریقے سے مال کھانے کی ممانعت بیان فرمائی، وہیں دوسری طرف دوسروں کا مال حاصل کرنے کا درست طریقہ بھی تعلیم فرمایا۔ سود، چوری اور جوئے کے ذریعے مال حاصل کرنا، جھوٹی قسم، جھوٹی وکالت، خیانت اور غصب کے ذریعے مال حاصل کرنا، رشوت کا لین دین کرنا، ڈنڈی مار کر سودا بیچنا، قرض دبالینا وغیرہ یہ سب باطل طریقے ہیں۔ اور دوسروں کا مال حاصل کرنے کا ذریعہ آپس

کی تجارت ہو جو فریقین کی رضامندی سے واقع ہو، تو یہ درست طریقہ ہے۔ باہمی رضامندی کی قید سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کی وہ تمام صورتیں جن میں فریقین کی رضامندی نہ ہو درست نہیں۔ صاف اور شفاف طریقے سے جھوٹ و غلط بیانی سے بچتے ہوئے سودا کیا جائے، تو وہ حقیقی طور پر فریقین کی رضامندی کو ظاہر کرتا ہے۔

بہر حال اس آیت میں ایک جامع رہنمائی کر دی گئی ہے۔ اور ہر بدلتے دور میں تجارت کی نئی سے نئی شکلیں اور نئے سے نئے رائج ہونے والے طریقوں کے متعلق اسلام نے جامع اصول و قوانین بتا دیئے ہیں۔ جن کے ذریعے قیامت تک آنے والی تجارت کی صورتوں کا حکم واضح ہو سکتا ہے۔

تجارت کی نئی صورتوں میں سے ایک صورت کچھ عرصے سے یہ رائج ہو رہی ہے کہ بکری، گائے وغیرہ جانور کو وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے خصوصا عید الاضحی کے موقع پر۔ جس کا طریقہ کچھ یوں ہوتا ہے کہ فریقین پہلے باہم رضامندی سے فی کلو کاریٹ طے کر لیتے ہیں۔ اور پھر جانور منتخب کر کے اس کا وزن کیا جاتا ہے۔ اور یوں جانور کی قیمت کا تعین کر کے جانور اور قیمت کا تبادلہ کر لیا جاتا ہے۔

جانوروں کی خرید و فروخت کے اس طریقے پر کچھ علمی اشکالات و سوالات ہوتے ہیں، لہٰذا اس رسالے میں ایسے تمام علمی اشکالات و سوالات کے مدلل جوابات فقہی جزئیات کی روشنی میں دیئے گئے ہیں۔ اس رسالے میں کچھ طوالت بھی ہے اور کچھ ابحاث ایسی بھی ہیں جن کا تعلق عوام سے نہیں۔ بلکہ فقہ کے طلبہ و اہل علم سے ہی ہے۔

اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راقم الحروف کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس رسالے کو نفع بخش بنائے۔اس میں اگر کوئی خوبی ہے، تو وہ میرا کمال نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

محمد ساجد عطاری

05ذوالحجۃ الحرام،1446ھ

02جون،2025ء

زندہ جانوروں کی تول کر خرید وفروخت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زندہ بکری کو تول کر کلو گرام کے حساب سے ریٹ طے کر کے فروخت کرنا، جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ بقر عید کے دنوں میں بعض تاجر حضرات اس طرح جانور بیچتے ہیں۔ اس پر شرعی دلائل کے ساتھ تفصیلی جواب عطا فرما دیں۔

جواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

زندہ جانور جیسے بکری وغیرہ کو تول کر یوں بیچنا کہ فی کلو کا ریٹ طے ہو جائے اور پھر اسی مجلس میں جانور متعین کر کے اس کا وزن اور قیمت معلوم کر لی جائے۔ اور پھر اس قیمت پر باہم رضا مندی سے لین دین کر لیا جائے، تو یہ شرعی طور پر جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

خرید و فروخت صحیح ہونے کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک تقاضا یہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز کا تعین ہو اور اس کی مقدار اور قیمت وغیرہ فریقین کو معلوم ہو اور ایسی جہالت و ابہام (Ambiguity) نہ ہو کہ جس سے معاملہ نزاع اور جھگڑے کی طرف چلا جائے۔

اب جانور جیسے بکری وغیرہ کو جب زندہ حالت میں فروخت کیا جاتا ہے، تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ فریقین جانور متعین کر کے باہم رضا مندی سے کسی قیمت پر اتفاق کر لیتے

ہیں اور خرید و فروخت کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ صدیوں سے چلتا آرہا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ اس میں بیع کے ضروری تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔

یونہی اب جو جدید طریقہ سامنے آیا کہ جانور کا فی کلو ریٹ باہم رضا مندی سے فریقین پہلے طے کر لیتے ہیں، مثلاً: فی کلو ایک ہزار (1000) روپے۔ پھر جانور متعین کر کے اس کا وزن کرتے ہیں۔ مثلاً: بکری کا وزن کیا جاتا ہے، تو اس کا وزن 25 کلو بنتا ہے۔ یوں بکری کی قیمت 25000 فریقین کو معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر خریدار رقم دے دیتا ہے اور بیچنے والا بکری دے دیتا ہے۔ شرعی طور پر یہ بھی جائز ہے۔ جائز ہونے کی وجہ یہی ہے کہ بیچی جانے والی چیز بھی معلوم و متعین ہے اور اسی مجلس میں وزن کے ذریعے اس کی قیمت بھی معلوم ہو چکی۔ اور کوئی جہالت یا ابہام نہیں رہا۔ لہذا درست بیع کے تمام تقاضے پورے ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں۔

رد المحتار میں ہے: "إذا اتفقا على معرفة كيل أو وزن ينبغي أن يجوز لوجود المصحح، وانتفاء المانع كذا في الفتح اهـ" یعنی اگر دونوں فریق کسی چیز کے کیل یا وزن کی معرفت پر متفق ہوں، تو بیع جائز ہونی چاہیے، کیونکہ صحتِ بیع کا سبب موجود ہے اور ممانعت کی کوئی وجہ باقی نہیں۔ ایسا ہی "فتح القدیر" میں ہے۔

(ردالمحتار، جلد 5، صفحہ 178، دار الفکر، بیروت)

اور بکری وغیرہ جانور اگرچہ عموماً وزن کے ذریعے نہیں بکتے تب بھی یہ بیع درست ہے کیونکہ ایسی چیز جس کا وزن کے ذریعے بیع کرنا معروف نہ ہو اسے عاقدین اگر وزن کے ذریعے خرید لیں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا جبکہ دیگر شرائطِ بیع مکمل ہوں، جیسا کہ فقہائے کرام نے انڈوں کی خرید و فروخت وزن اور کیل کے ساتھ درست قرار دی ہے۔ چنانچہ

محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"(قوله وكذا في المعدودات التي لا تتفاوت كالجوز والبيض) أي يجوز السلم فيها عددا....... وكما يجوز عددا في العددي المتقارب يجوز كيلا......وإذا أجزناه كيلا فوزنا أولى" یعنی گن کر بکنے والی وہ چیزیں جن میں تفاوت نہیں ہوتا، جیسے اخروٹ اور انڈے ان میں عدد کے اعتبار سے بیع سلم جائز ہے۔ اور جیسے متقارب گنی جانے والی اشیاء میں عدد کے اعتبار سے بیع سلم جائز ہے، ویسے ہی کیل کے اعتبار سے بھی جائز ہے۔۔۔ اور جب ہم نے اسے کیل کے ساتھ جائز قرار دیا تو وزن کے اعتبار سے بیع سلم بدرجہ اَولیٰ جائز ہو گی۔

(فتح القدیر، جلد7، صفحہ74، دار الفکر، بیروت)

مزید لکھتے ہیں:"وكون العرف في شيء من بعض المقدرات لا يمنع أن يتعامل فيه بمقدار آخر يصطلحان عليه إلا أن يمنع منه مانع شرعي كما قلنا في البيض كيلا" یعنی کسی چیز کی مقدار کا اندازہ لگانے میں عُرف اگر خاص انداز کا ہے، تو یہ اس بات سے مانع نہیں کہ فریقین باہم رضامندی سے کسی اور انداز وپیمانے سے مقدار کے تعین پر اتفاق کر کے معاملہ کریں، الا یہ کہ کوئی شرعی مانع موجود ہو۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ انڈوں کی کیل کے ساتھ بیع درست ہے (حالانکہ ان کا عددی ہونا معروف ہے)۔

(فتح القدیر، جلد7، صفحہ80، دار الفکر، بیروت)

اس مختصر جواب کے بعد اب اس مسئلے پر سامنے آنے والے کچھ اشکالات اور ان کے جوابات پر تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے۔

کیا سانس اندر لینا اور باہر نکالنا، وزن سے خرید و فروخت کرنے میں رکاوٹ ہے؟

اشکال:

زندہ جانور جیسے بکری وغیرہ کا وزن درست طریقے سے معلوم کرنا کیسے ممکن ہے؟ جبکہ جانور سانس اندر لیتا اور باہر نکالتا ہے یعنی وہ کبھی اپنے آپ کو ہلکا کرتا ہے اور کبھی بھاری ۔ جس کی وجہ سے جانور کے وزن میں ابہام اور جہالت پیدا ہو جاتی ہے۔ فقہائے کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ حیوان کے وزن کی معرفت ممکن نہیں، اور عادتاً جانور کا وزن بھی نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے: " ولهما أنه باع الموزون بما ليس بموزون، لأن الحيوان لا يوزن عادة ولا يمكن معرفة ثقله بالوزن؛ لأنه يخفف نفسه مرة، ويثقل أخرى "ان دونوں (امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ اس نے وزنی چیز کو ایسی چیز کے عوض بیچا جو وزنی نہیں ہے، کیونکہ جانور کو عموماً وزن کے ذریعے نہیں بیچا جاتا، اور اس کا وزن جاننا بھی ممکن نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ کبھی اپنے آپ کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی بھاری کر دیتا ہے۔

جواب:

زندہ جانور کا وزن کرنا بالکل ممکن ہے، بلکہ کیا بھی جاتا ہے، جیسا کہ عام طور پر زندہ مرغی کی خرید و فروخت وزن کے ساتھ ہو رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح مختلف مقاصد کے لیے انسان کا بھی وزن کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بھی سانس لیتا اور خارج کرتا ہے۔ سانس لینے یا خارج کرنے کی وجہ سے کبھی یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس کی وجہ سے وزن کرنا، ممکن نہیں رہا۔

نیز زندہ جانور کے سانس اندر لینے اور باہر نکالنے کی وجہ سے جانور کے وزن میں اگر کوئی فرق پڑتا ہے، تو وہ انتہائی نا قابل بیان فرق ہوتا ہے۔ اور اس طرح وزن کے تعین میں کوئی ایسی

جہالت سامنے نہیں آتی جو معاملے کو باعثِ نزاع (جھگڑا) بنا دے۔اور شریعت کا اصول یہ ہے کہ بالفرض اگر کسی معاملے میں معمولی جہالت ہو، تو اس کی وجہ سے عقد فاسد و ناجائز نہیں ہوتا۔

البحر الرائق میں ہے: " الجهالة لا تضر إذا جرى العرف فيها كما لا تضر إذا كانت يسيرة " یعنی ایسی جہالت نقصان دہ نہیں ہوتی جس پر عرف جاری ہو چکا ہو، جیسا کہ معمولی درجے کی جہالت عقد کے لیے مضِر نہیں ہوتی۔

(البحر الرائق، جلد5، صفحہ295، دار الکتاب الاسلامی)

ایسا نہیں کہ ہر درجے کی جہالت عقد کو فاسد کر دے، بلکہ وہی جہالت عقد کو فاسد کرنے والی ہوتی ہے، جو نزاع اور جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہو۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "والجهالة ليست بمانعة لذاتها بل لكونها مفضية إلى النزاع " یعنی جہالت بذاتِ خود مانع نہیں ہے، بلکہ اس لیے ممانعت کا باعث بنتی ہے کہ وہ نزاع (جھگڑے) تک پہنچا دیتی ہے۔ (ردالمحتار، جلد6، صفحہ53، دار الفکر، بیروت)

ہدایہ کی عبارت کا درست مفہوم:

اور جہاں تک صاحبِ ہدایہ کی گفتگو کا تعلق ہے، تو ان کی گفتگو کا مقصد فقط یہ بتانا ہے کہ جانور موزونی اشیاء میں سے نہیں، بلکہ عددی اشیاء میں سے ہے۔اور یہ گفتگو ربا (سود) کے ایک خاص مسئلے کے تناظر میں ہے۔اس تناظر کو سامنے رکھیں گے، تو اس عبارت کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔

چنانچہ سوال یہ تھا کہ اگر کسی نے بکری کا گوشت زندہ بکری کے بدلے بیچا، تو یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اس میں سود متحقق ہو گا یا نہیں؟

تو اس مسئلے کے متعلق امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے اور اس میں سود بھی متحقق نہیں ہو گا، اگرچہ جانور کے اندر موجود گوشت، دوسری طرف کے گوشت کے برابر ہو یا کم زیادہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بیع میں ایک طرف تو گوشت ہے جو موزونی ہے یعنی وزن سے بکنے والی چیز ہے۔ لیکن دوسری طرف زندہ بکری ہے ، جو موزونی نہیں بلکہ عددی ہے یعنی وزن سے نہیں، بلکہ گن کر بکتی ہے۔ اور جب ایک طرف موزونی اور دوسری طرف عددی چیز ہو تو کمی بیشی جائز ہوتی ہے۔

زندہ بکری کا گوشت وزن سے بکنے والی اشیاء میں سے نہیں ہے، اسی بات کو بیان کرنے کے لیے صاحب ہدایہ نے وہ بات لکھی ہے، جو اشکال میں موجود ہے، چنانچہ وزنی نہ ہونے پر ایک دلیل عرف وعادت کا نہ ہونا بیان کیا اور لکھا: "لأن الحیوان لا یوزن عادۃ"

اور پھر آگے جو یہ بات لکھی کہ: "لا یمکن معرفۃ ثقلہ وخفتہ بالوزن؛ لأنہ یخفف نفسہ مرۃ ویثقل أخری" اس سے بھی یہی بتانا مقصود ہے کہ زندہ بکری کے اندر گوشت کتنا ہے؟ یہ وزن کرکے بتانا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اس حالت میں بکری کے گوشت کو موزونی چیز شمار نہیں کیا جاسکتا۔ "فی نفسہ ہی بکری کا وزن ہی ممکن نہ ہو" یہ بتانا مقصود نہیں۔

چنانچہ ہدایہ کی مذکورہ عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "

(لأن الحیوان لا یوزن عادۃ) ش: لأن الموزون حقیقۃ ما یمکن معرفۃ مقدار ثقلہ بالوزن، وھذا لا یتحقق فی لحم الشاۃ الحیۃ، وھو معنی قولہ م: (ولا یمکن معرفۃ ثقلہ بالوزن؛ لأنہ یخفف نفسہ مرۃ ویثقل أخری)" ملتقطا یعنی (کیونکہ جانور کو عام طور پر تول کر نہیں بیچا جاتا) شرح: اس لیے کہ "موزون" حقیقت میں وہ چیز ہے جس کے وزن کی مقدار کو ترازو کے ذریعے معلوم کیا جاسکے،

اور زندہ بکری کے گوشت میں یہ بات متحقق نہیں ہوتی۔ اور یہی بات مصنف کے اس قول کا مطلب ہے:(ولا یمکن معرفة ثقله بالوزن الخ)۔

(البناية شرح الهداية، جلد8، صفحه 285، دار الكتب العلميه، بيروت)

یونہی ہدایہ کی شرح غایۃ البیان میں ہے:" شَرْطَ تَحَقُّقِ الرِّبَا:الجنس والمعيار الشرعِيُّ ،وَلَمْ يُوجَدِ المعيار۔۔۔؛لأنَّ ما فِي الشَّاةِ مِن اللَّحمِ لَا يُوزَنُ؛لأَنَّ المَوْزُونَ حقيقةً ما يُمْكِنُ معرفة مقدار ثقله بالوزن، وهذا لا يتحقق في لحم الشَّاةِ الحَيَّةِ" یعنی یہ بیع اس لیے درست ہے کہ ربا کے تحقق کی شرط "جنس" اور "شرعی معیار" (یعنی وزن یا پیمانہ) ہے، اور یہاں شرعی معیار موجود نہیں، کیونکہ بکری میں جو گوشت ہوتا ہے، اس کا وزن نہیں کیا جاتا، لہذا وہ موزونی چیز نہیں، اس لیے کہ "موزون" حقیقتاً وہی چیز ہے، جس کے وزن کی مقدار ترازو سے معلوم کی جاسکے، **اور یہ چیز زندہ بکری کے گوشت میں متحقق نہیں ہوتی۔**

(غاية البيان، جلد10، صفحه 295تا296، دار الضياء، كويت)

اور اس مسئلے کی تشریح میں علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت بھی انتہائی واضح ہے۔ کہ انہوں نے بہت واضح انداز سے اس چیز کو بیان کیا ہے کہ یہاں " لحم الذی فی الشاة" یعنی زندہ بکری کے اندر موجود گوشت کے متعلق گفتگو ہے کہ اس کا وزن کرنا، ممکن نہیں۔ فی نفسہ بکری یا زندہ جانور کو نا ممکن الوزن قرار دینا مقصود نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:" ودلالة الوصف أن اللحم المنزوع وإن كان موزونا - فاللحم الذي في الشاة ليس بموزون؛ لأن الموزون ما له طريق إلى معرفة مقدار ثقله، ولا طريق إلى معرفة ثقل اللحم الذي في الشاة لأن الطريق إما أن يكون الوزن بالقبان، وإما أن يكون الاستدلال بالتجربة، وإما أن يكون بالحزر والتخمين من غير تفاوت فاحش، وشيء من ذلك لا يصلح طريقا لمعرفة مقدار اللحم الذي في الشاة" اور وصف

کی دلالت یہ ہے کہ اگرچہ ذبح شدہ گوشت موزون (تولی جانے والی چیز) ہے، **لیکن بکری کے جسم میں موجود گوشت موزون نہیں**، کیونکہ موزون وہی چیز ہوتی ہے جس کے وزن کو جاننے کا کوئی معتبر ذریعہ ہو۔ اور **بکری کے جسم میں موجود گوشت کے وزن کو جاننے کا کوئی معتبر طریقہ نہیں**۔ کیونکہ وزن جاننے کے طریقے یا تو ترازو سے تولنا ہوتے ہیں، یا تجربے سے استدلال کرنا، یا اندازے اور تخمینے سے یوں کہ اس میں زیادہ تفاوت نہ ہو۔ اور ان میں سے **کوئی بھی طریقہ بکری کے جسم میں موجود گوشت کی مقدار معلوم کرنے کے لیے معتبر نہیں**۔

پھر اس پر مزید تفصیل بیان کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ” فدل أنه لا طريق لمعرفة اللحم الذي في الشاة الحية، فلم يكن موزونا، فلا يكون محلا لربا الفضل “پس یہ بات واضح ہوئی کہ **زندہ بکری کے جسم میں موجود گوشت کو جاننے کا کوئی معتبر طریقہ موجود نہیں**، لہٰذا وہ موزون نہیں ہے، اور جب وہ موزون نہیں، تو وہ ربا الفضل کے حکم کا محل بھی نہیں ہو سکتا۔ (بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 190، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ہدایہ کی عبارت کا مفہوم ایک اور اعتبار سے سمجھنا ممکن ہے۔ وہ یوں کہ اس مسئلے کی بحث میں فقہائے کرام ایک دوسرے ملتے جلتے مسئلے کو مقابلے میں بیان کرتے ہیں اور وہاں سود کا حکم بیان کر کے اس سے منع کرتے ہیں۔ اس دوسرے مسئلے سے پہلے مسئلے کا فرق بھی واضح کرتے ہیں، اس کو ہم سامنے رکھیں، تو ہدایہ کی عبارت کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے، چنانچہ

فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ بکری کے گوشت کو زندہ بکری کے بدلے بیچا جائے، تو یہ جائز ہے اور سود متحقق نہیں ہو گا۔ لیکن اگر کسی نے تلوں کے تیل کو تلوں کے بدلے بیچا تو یہ بیع درست نہیں۔ اور یہاں سود یا اس کا شبہ متحقق ہو گا۔ کیونکہ یہاں موزون کی بیع موزون چیز سے

ہے۔ اس لئے کہ تیل بھی وزن سے بکنے والی چیز ہے۔ اور دوسری طرف جو تل ہیں، تو ان تلوں کے اندر موجود تیل بھی موزون چیز ہے، کیونکہ تلوں کو ثابت رکھتے ہوئے ان کے اندر موجود تیل کی معرفت مختلف طریقوں سے ممکن ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : " بخلاف بيع دهن السمسم بالسمسم؛ لأن ذلك بيع الموزون بالموزون؛ لأنه يمكن معرفة مقدار الدهن في السمسم بالتجربة، بأن يوزن قدر من السمسم فيستخرج دهنه فيظهر وزن دهنه الذي في الجملة بالقياس عليه، أو يعصر الجملة فيظهر قدر الدهن الذي كان فيها حالة العقد، أو يعرف بالحزر والتخمين أنه كم يخرج من الدهن من هذا القدر من غير تفاوت فاحش يلحق الضرر بأحد العاقدين؟ فكان ذلك بيع الموزون بالموزون مجازفة، فلم يجز لاحتمال الربا "یعنی تل کے تیل کو تل کے بدلے بیچنے کا حکم اس کے بر خلاف ہے، کیونکہ یہ تولی جانے والی چیز کو تولی جانے والی چیز کے بدلے بیچنا ہے۔ اس لیے کہ **تل میں موجود تیل کی مقدار کو تجربے کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے**، مثلاً: کسی مخصوص مقدار کے تل کو تولا جائے، پھر اس سے تیل نکالا جائے، تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ اس مجموعی مقدار میں کتنا تیل ہے۔ یا پوری مقدار کو نچوڑا جائے، تو عقد کے وقت اس میں موجود تیل کی مقدار ظاہر ہو جائے گی۔ یا اندازے اور تخمینے کے ذریعے یہ جانا جاسکتا ہے کہ اس مقدار میں سے کتنا تیل نکلے گا، اور یہ اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں فاحش تفاوت (بہت زیادہ فرق) نہیں ہوتا جو فریقین میں سے کسی ایک کو ضرر پہنچائے۔ لہٰذا یہ بیع موزون کی موزون کے بدلے مجازفۃً بیع قرار پائے گی۔ اور ربا کا احتمال پائے جانے کی وجہ سے یہ بیع جائز نہیں ہو گی۔

(بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 190، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا فقہائے کرام کی نظر میں زندہ جانور کا وزن ممکن ہے؟

خلاصہ:

اس ساری بحث سے ایک تو یہ بات واضح ہو گئی کہ صاحبِ ہدایہ نے جو یہ کہا تھا کہ ”لا یمکن معرفة ثقله وخفته بالوزن“تو یہ زندہ جانور کے اندر موجود گوشت کے متعلق گفتگو ہے کہ جانور زندہ ہو، تو اس حالت میں وزن کے ذریعے اس کے اندر موجود گوشت کی مقدار معلوم کر لینا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے اسے موزون اشیاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ جب اس عبارت کا اصل مفہوم واضح ہو گیا، تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس عبارت سے یہ استدلال کرنا غلط ہے کہ زندہ جانور کا وزن ممکن نہیں۔

بلکہ سانس لینے وخارج کرنے والی چیز کا وزن ممکن ہونے کی صراحت تو ہمارے فقہائے کرام نے بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ لطیف و مجرد اشیاء کے علاوہ ہر جسم رکھنے والی چیز کا وزن ممکن ہے، اگرچہ وہ سانس لینے اور خارج کرنے والی چیز ہو۔اور جس نے ایسی چیز کا وزن ناممکن سمجھا فقہاء نے اس کی تغلیط کی ہے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالی علیہ علامہ عینی کی ایک بات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”كأنه زعم أن مراد صاحب الكافي أنه لا يمكن أن يوزن الآدمي بالقبان أصلا وهل يوجد في العالم من الممكنات القائمة بذاتها شيء لا يمكن أن يوزن أصلا إلا أن يكون مجردا أو جسما لطيفا“ گویا علامہ عینی نے یہ گمان کیا کہ صاحبِ کافی (مصنفِ کتاب) کی مراد یہ ہے کہ آدمی کو قَبّان (بڑا ترازو) کے ذریعے تولنا ممکن نہیں (حالانکہ صاحبِ کافی کی مراد یہ نہیں کیونکہ) اس دنیا میں کوئی ایسی ممکن الوجود، قائم بالذات چیز نہیں جس کا وزن ممکن نہ ہو، سوائے اس کے کہ وہ مجرد ہو یا لطیف جسم ہو۔(مقصود یہ کہ علامہ عینی کا انسان کو

ناقابل وزن سمجھ لینا درست نہیں۔) (فتح القدیر، جلد9، صفحہ86، دار الفکر، بیروت)

لہذا جب یہ ثابت ہو چکا کہ زندہ جانور کا وزن کرنا، ممکن ہے اور فقہاء میں کسی فقیہ کا کلام اس کے بر خلاف نہیں۔ اور زندہ جانور کی خرید و فروخت میں وزن کو معیار بنانے میں جہالت فاحشہ کا عنصر بھی ثابت نہیں، تو یہ بات واضح ہو گئی کہ وزن کے اعتبار سے خرید و فروخت کرنے میں جانور کا زندہ ہونا یا سانس اندر باہر لینا کوئی رکاوٹ کا باعث نہیں۔

جس کا عددی ہونا منصوص یا معروف ہو، کیا اسے وزن سے بیچنا جائز ہو سکتا ہے؟

اشکال:

جانور موزونی چیز نہیں، بلکہ عددی ہے (جیسا کہ مذکورہ بالا گفتگو میں آپ نے ثابت کیا)۔ اب ہمارا اشکال یہ ہے کہ جب زندہ جانور، موزون چیز ہے ہی نہیں، تو اب اسے وزن سے بیچنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ شروع سے آج تک مسلمانوں کا یہی تعامل رہا ہے کہ مسلمان جانور وزن کر کے نہیں بیچتے۔ اگر اسے تول کر بیچنا جائز مانا جائے، پھر تو اسے موزونی چیز تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور جب موزونی تسلیم کریں گے، تو یہ اموالِ ربویہ میں سے ہو جائے گا اور نتیجتاً ایک بکری کی بیع دو بکریوں کے بدلے ناجائز و سود قرار پائے گی، حالانکہ ایک بکری کو دو بکریوں کے بدلے بیچنا تو جائز ہے، بلکہ نص سے ثابت ہے۔ تو یوں یہ معاملہ نص کی خلاف ورزی کو مستلزم ہو گا۔ اور یوں کہا جا سکتا ہے، جانور کو موزونی ماننے میں نص، تعامل مسلمین اور علماء مذہب کی مخالفت لازم آتی ہے۔

جواب:

ویسے تو یہ بات واضح ہے کہ زندہ جانور کے موزونی ہونے یا نہ ہونے کے متعلق کوئی نص

شرعی وارد نہیں اور ایسی چیزوں کے پیمانے کا تعین عرف کے اعتبار سے ہی کیا جاتا ہے۔ لیکن ہم اس سے اگلی بات کرتے ہیں کہ اگر بالفرض جانور کا غیر موزونی ہونا عبارۃ النص سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی کرنسی کے بدلے وزن کر کے اس کا بیچنا ممنوع نہیں ہو گا۔ کیونکہ نص میں جن چیزوں کا موزونی یا کیلی ہونا بیان کیا ہے، اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ جب ایسی چیز کو ہم جنس کے بدلے بیچیں گے، تو اسی پیمانے کا لحاظ کرنا ہو گا جو منصوص ہے۔ لیکن اگر ایسی چیز کو کرنسی کے بدلے بیچ رہے ہوں، تو پھر اس خاص منصوص پیمانے سے ہٹ کر کسی دوسرے پیمانے سے بیچنا جائز ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ جس پر علماء کا اجماع ہے۔

چنانچہ فتاوی ہندیہ ورد المحتار میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے: "قال الشیخ الإمام وأجمعوا علی أن ما ثبت کیله بالنص إذا بیع وزنا بالدراهم یجوز و کذلك ما ثبت وزنه بالنص إذا بیع کیلا بالدراهم یجوز کذافي الذخیرة" شیخ الامام نے فرمایا: تمام علما کا اس پر اجماع ہے کہ وہ چیز جس کا "کیلی ہونا" شریعت کی نص سے ثابت ہو، اگر اسے وزن کے ساتھ درہم کے بدلے بیچا جائے، تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح وہ چیز جس کا "موزونی ہونا" شریعت کی نص سے ثابت ہو، اگر اسے کیل کے ساتھ درہم کے عوض بیچا جائے، تو یہ بھی جائز ہے۔ ایسا ہی "الذخیرہ" میں مذکور ہے۔ (الفتاوی الھندیة، جلد3، صفحه117، دار الفکر، بیروت)

النہایہ فی شرح الہدایہ اور محیط برہانی میں ہے، واللفظ للثانی: "واتفقت الروایات عن أصحابنا أن ما یثبت کیله بالنص لا یجوز بیعه بجنسه وزناً، وإن تماثلا وزناً کالحنطة بالحنطة وأشباهها؛ لأن الشرع ورد فیها بالجواز بشرط التماثل في الکیل،۔۔۔۔وما ثبت وزنه بالنص لا یجوز بیعه بجنسه کیلاً کالدراهم بالدراهم کیلاً إلا روایة شاذة عن أبي یوسف رحمه الله قال: یجوز إذا اعتاد الناس ذلك" ملتقطا اور ہمارے ائمہ کرام سے منقول تمام روایات اس

پر متفق ہیں کہ جس چیز کا کیلی ہونا نصِ شرعی سے ثابت ہو، اسے اسی جنس کے ساتھ وزن کے اعتبار سے بیچنا جائز نہیں، اگرچہ وزن کے اعتبار سے برابر ہی کیوں نہ ہوں، جیسے گیہوں کو گیہوں کے بدلے بیچنا اور اس جیسی دوسری چیزیں، کیونکہ شریعت نے اس کے جواز کو کیل میں برابری کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اور جس چیز کا وزنی ہونا نص سے ثابت ہو، اسے اسی جنس کے ساتھ کیل کے اعتبار سے بیچنا جائز نہیں، جیسے درہم کو درہم کے بدلے کیل کے ساتھ بیچنا جائز نہیں (کیونکہ درہم یعنی چاندی کا وزنی ہونا منصوص ہے)۔ البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک شاذ روایت منقول ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: اگر لوگ اس طریقے کو معمول بنالیں تو جائز ہے۔

(المحيط البرهاني، جلد7، صفحه 75، دار الكتب العلمية، بيروت)

محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "المعيار في الحنطة والدقيق الكيل لا يراد به إلا فيما إذا بيع بجنسه، أما بالدراهم فيجوز بيع الحنطة وزنا بالدراهم و كذا الدقيق وغير ذلك" "گندم اور آٹے کا معیار "کیل" ہے۔ اور اس کا کیلی ہونا صرف اسی وقت مراد لیا جائے گا، جب یہ اپنی جنس کے بدلے بیچے جائیں۔ رہی بات اگر درہم (نقد رقم) کے بدلے بیچے جائیں، تو گندم کو وزن کرکے درہم کے عوض بیچنا جائز ہے، اور آٹے وغیرہ کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

(فتح القدير، جلد7، صفحه 23، دار الفكر، بيروت)

خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: " بيعه وزنا بالدراهم، فإنه جائز اتفاقا كما في الذخيرة " یعنی آٹے کو وزن کے ساتھ درہم کے بدلے بیچا جائے، تو وہ بالاتفاق جائز ہے، جیسا کہ "الذخیرہ" میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(رد المحتار، جلد5، صفحه 177، دار الفكر، بيروت)

علامہ شامی مزید لکھتے ہیں:"والحاصل أن عدم جواز الوزن في الأشياء الأربعة المنصوص على أنها مكيلة إنما هو فيما إذا بيعت بمثلها بخلاف بيعها بالدراهم كما إذا أسلم دراهم في حنطة، فإنه يجوز تقديرها بالكيل أو الوزن "خلاصہ یہ ہے کہ جن چار چیزوں کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ کیل والی اشیاء ہیں، ان میں وزن کے ساتھ بیچنے کا عدم جواز صرف اس صورت میں ہے جب انہیں ان کی مثل یعنی ہم جنس کے بدلے بیچا جائے۔اس کے برخلاف اگر انہیں درہم کے بدلے بیچا جائے، تو جائز ہے۔ جیسے اگر کوئی درہم کے بدلے گیہوں کی بیع سلم کے طور پر خریداری کرے، تو اس میں گیہوں کو کیل کے اعتبار سے خریدنا بھی جائز ہے اور وزن کے اعتبار سے خریدنا بھی جائز ہے۔ (ردالمحتار، جلد5، صفحہ178، دارالفکر، بیروت)

بلکہ فقہائے کرام نے یہ صراحتیں کی ہیں کہ کسی شے کا اگر ایک پیمانہ رائج اور معروف ہو لیکن خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق آپس میں اس پیمانے سے ہٹ کر کسی اور پیمانے کے ذریعے خرید و فروخت کریں، تو شرعی طور پر اس میں کوئی حرج نہیں (جبکہ اس میں سود کی شکل نہ بنتی ہو)۔اور یہاں فقہاء نے کئی ایسی امثلہ بھی بیان کی ہیں۔

مثلاً: روٹی عددی چیز ہے، لیکن روٹی کی بیع وزن کے حساب سے کرنا، جائز ہے۔ چنانچہ البحرالرائق میں ہے:" وفي الفروق السلم في الخبز وزنا يجوز.اھ۔" یعنی الفروق میں یہ مذکور ہے کہ روٹی کی بیع سلم وزن کے اعتبار سے جائز ہے۔

(البحرالرائق، جلد6، صفحہ169، دارالکتاب الاسلامی)

یونہی عددی متقارب چیزیں جیسے انڈے اور اخروٹ وغیرہ کے متعلق بھی فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر دو فریق وزن کے ذریعے انڈوں کی خرید و فروخت کریں، تو اس میں کوئی حرج

نہیں۔ بلکہ یہاں تک لکھا کہ کیل یعنی برتن وغیرہ کی پیائش کے اعتبار سے بھی انڈوں کی خرید و فروخت کرنا، جائز ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "ویجوز السلم في العدديات المتقاربة حتى يجوز في الجوز والبيض عددا أو كيلا أو وزنا" یعنی متقارب عددی اشیاء میں سلم جائز ہے، یہاں تک کہ اخروٹ اور انڈے میں بھی عدد، پیائش یا وزن کے اعتبار سے سلم کرنا، جائز ہے۔
(فتاوی هنديه، جلد3، صفحه183، دار الفكر، بيروت)

اس مثال کے ضمن میں فقہائے کرام نے مزید بھی کئی امور کی وضاحت کی ہے، جس سے اشکال میں بیان کردہ تمام باتوں کا جواب سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ

ایک اشکال یہ تھا کہ جو چیز عرف عام میں عدد کے حساب سے بکتی ہے، تو اس کو وزن کے ساتھ بیچنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب علمانے یہ دیا کہ انڈے وغیرہ چیزیں جو عدد کے حساب سے بکتی ہیں، ان کا عددی ہونا، تو تسلیم ہے، لیکن کسی بھی چیز کی خرید و فروخت میں مخصوص پیمانے کو متعین کرنے کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پیمانے کے ذریعے اس چیز کی مقدار معلوم کی جاسکے اور بعد میں معاملہ نزاع کی طرف نہ جائے۔ اور عددی چیزوں کی مقدار کا تعین جس طرح عدد کے ذریعے ہوتا ہے اسی طرح کسی دوسرے طریقے سے بھی، تو ہو سکتا ہے۔

چنانچہ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں: "وأما كونه معدودا فمسلم، لكن لم لا يجوز كيله مع أن اعتبار المقدار ليس إلا للضبط والضبط لم ينحصر في العدد بل يتعرف بطريق آخر" رہا اس کا عددی ہونا، تو یہ تو مسلّم ہے، لیکن اس کا کیل کے ساتھ بیچنا کیوں جائز نہیں ہو سکتا؟ حالانکہ مقدار کا اعتبار تو صرف ضبط کے لیے ہوتا ہے، اور ضبط صرف عدد ہی میں منحصر نہیں، بلکہ کسی اور

ذریعے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ (فتح القدیر، جلد7، صفحہ74، دار الفکر، بیروت)

عددی چیز کو جب وزن سے بیچیں، تو کیا وہ موزونی بن جائے گی؟

دوسرا اشکال یہ تھا کہ عددی چیز کو جب، وزن کے ساتھ بیچیں گے، تو اس طرح اس چیز کو موزونی اور اموالِ ربویہ سے ماننا پڑے گا اور یوں ایک بکری کی بیع دو بکریوں سے ناجائز ہو جائے گی۔

اس کا جواب فقہائے کرام نے یہ دیا ہے کہ کسی چیز کا عددی ہونا یہ عام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا ہے، لیکن فریقین آپسی معاہدے میں ایسی اصطلاح کو ختم کرنے اور اس کی جگہ دوسری اصطلاح مقرر کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اور یہ اختیار ان کے اسی معاہدے تک محدود رہے گا۔ اس سے اس چیز کا علی الاطلاق موزونی یا کیلی ہونا لازم نہیں آئے گا۔ لہذا عرف عام میں جس طرح وہ چیز پہلے عددی شمار ہوتی تھی، اسی طرح اب بھی وہ عددی ہی رہے گی۔

چنانچہ عنایہ میں ہے: ”وکونه معدودا باصطلاحهما فجاز إهداره، والاصطلاح على كونه كيليا“ یعنی اس کا معدود ہونا اگرچہ ان دونوں فریقین کی اصطلاح کے مطابق تھا، لیکن (چونکہ یہ محض اصطلاحی ہے) اس لیے فریقین کا اسے نظر انداز کرنا اور اس کی جگہ اس چیز کے کیلی ہونے کی اصطلاح قائم کرنا درست ہے۔ (العنایۃ، جلد7، صفحہ75، دار الفکر، بیروت)

اور صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں: ”وكيله إنما كان باصطلاحهما فلا يصير بذلك مكيلا مطلقا ليكون ربويا“ یعنی اس کا پیمائش (کیل) کے ساتھ ہونا صرف ان دونوں کی اصطلاح کے مطابق ہے، اس لیے محض اس بنیاد پر وہ چیز مطلقاً مکیلی (یعنی پیمائش والی) نہیں بن جاتی کہ اسے رِبوی (یعنی سود والی) اشیاء میں شامل کر دیا جائے۔

(فتح القدیر، جلد7، صفحہ 75، دار الفکر، بیروت)

خلاصہ یہ کہ فقہی دلائل و علما کی صراحت سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حیوان کا وزنی ہونا منصوص مان بھی لیا جائے، تب بھی کرنسی کے بدلے بیچنے کی صورت میں منصوص پیمانے کی رعایت رکھنا ضروری نہیں۔ یونہی تعامل مسلمین سے یہ تو ثابت ہو سکتا ہے کہ کونسی چیز کس پیمانے سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اس تعامل سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ فریقین شرعاً اس پیمانے کے پابند ہو گئے اور اس پیمانے سے ہٹ کر دوسرے پیمانے سے فروخت کریں گے، تو یہ ناجائز ہو جائے گا۔ بلکہ ایسے مقام پر عرفی اصطلاح سے صرفِ نظر کرنے کا جواز فقہاء نے بیان کیا ہے۔

کیا زندہ جانور کو وزن سے بیچنے میں خون و غلاظت کے مقابل دام دینا لازم آتا ہے؟

اشکال:

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے کپڑا بیچا اور یوں دام طے کیے کہ اس کا ہر ذراع ایک درہم کے بدلے، تو اب ہر ذراع ایک کپڑے کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔ اور ذراع اگرچہ وصف و تابع ہوتا ہے، لیکن اس صورت میں یہ اصل بن جائے گا۔ ہدایہ میں ہے: ”(ولو قال بعتكها على أنها مائة ذراع بمائة درهم كل ذراع بدرهم فوجدها ناقصة، فالمشتري بالخيار إن شاء أخذها بحصتها من الثمن، وإن شاء ترك)؛ لأن الوصف وإن كان تابعا لكنه صار أصلا بإفراده بذكر الثمن فينزل كل ذراع منزلة ثوب“

تو اصول یہ ہے کہ مبیع کے تابع جو چیز ہے، اگر اس کے مقابل ثمن آ جائے، تو اب وہ تابع نہیں رہتی، بلکہ وہ بھی مبیع و اصل بن جاتی ہے۔ اس اصول کے مطابق جانور کا دام جب کلو گرام کے حساب سے طے ہو گا، تو اس کے بدن کے فضلات اور خون سبھی مبیع قرار پائیں گے۔ گویا

انہوں نے جانور کے جسم میں پائی جانے والی ہر چیز بشمول خون و غلاظت کو مبیع ٹھہرادیا اور اس طرح خون پیشاب لید تمام چیزوں کی خرید و فروخت لازم آئی۔ حالانکہ نہ تو یہ مال ہیں اور نہ ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔

یہ ایسے ہو گیا جیسے کسی نے مال اور غیر مال کو ملا کر ایک عقد میں بیچا، جیسے ذبیحہ بکری اور مردار بکری کی اکٹھی ایک عقد میں بیع کی اور ایسی بیع جائز نہیں، بلکہ باطل ہوتی ہے۔ ہدایہ میں ہے: "(ومن جمع بين حر وعبد أو شاة ذكية وميتة بطل البيع فيهما) وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله "(اور اگر کسی نے آزاد شخص اور غلام، یا ذبح شدہ بکری اور مردار کو اکٹھا بیچ دیا تو دونوں کی بیع باطل ہو جائے گی) اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

تو پورے جانور کو تول کر بیچا جائے تو یہ بیع گوشت پوست کی بھی ہو گی جو حلال ہے اور خون و غلاظت کی بھی ہو گی جو حرام ہے۔لہذا مجموعی اعتبار سے یہ بیع باطل ہو گی جس طرح مذبوح اور مردار کی بیع اکٹھی کرنا باطل ہے۔

جواب:

وزن کے حساب سے جانور کی خرید و فروخت جس طرح رائج ہے، اس میں ہر گز بھی خون و غلاظت کو اصل مبیع و مقصود بنانا یا ان کے مقابل ثمن کا لین دین کرنا لازم نہیں آتا۔ جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

اولاً:

ہمارے ہاں جس طرح عام خریداریوں میں لفظی ایجاب و قبول نہیں ہو رہا ہوتا، اسی طرح جانور وزن سے جب خریدتے ہیں، تو اس میں بھی لفظی ایجاب و قبول نہیں ہوتا۔ بلکہ فی کلو

گرام ریٹ پر اتفاق ہو جانے کے بعد متعین جانور کا وزن کر کے اس کی قیمت کا تعین کیا جاتا ہے۔ پھر فریقین رضامندی سے ثمن اور مبیع (جانور) کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ تو یہ بیع تعاطی کے طور پر بیع منعقد ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بیع، عام اندازے سے بیع کرنے کی طرح ہی ہو جاتی ہے۔ کہ کل ثمن، کل مبیع کے مقابلے قرار پاتا ہے۔ اور ہر کلو گرام کو الگ مبیع قرار دینے کا پہلو یہاں آتا ہی نہیں۔ لہذا یہاں یہ سمجھنا کہ خون و فضلات کے بدلے بالقصد تبادلہ کیا گیا ہے، یہ بھی درست نہیں۔

عاقدین مبیع کا ریٹ وزن کے حساب سے طے کر لیں اور پھر لفظی ایجاب و قبول کے بغیر لین دین کریں، یہ تو بیع تعاطی ہے، جیسا کہ امام اہل سنت سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس مسئلے کے متعلق لکھتے ہیں: "فتاوی امام بزازی و فتاوی عالمگیریہ میں ہے:" قال لقصاب کم من ھذا اللحم بدرھم فقال منوین قال زن فاعطی درھما فاخذہ فھو بیع جائز ولا یعید الوزن وان وزنہ فوجدہ انقص رجع بقدرہ من الدرھم لا من اللحم لان الانعقاد بقدر المبیع المعطی اھ فلم یجعل قولہ کم بدرھم قال منوین قال زن بیعا بل التعاطی ولذا لم یکن لہ ان یطلب مانقص من الحم "یعنی کسی نے قصاب کو کہا کہ یہ گوشت ایک درہم کا کتنا ہے، اس نے کہا دو سیر، اس شخص نے کہا تول دے، پھر ایک درہم قصاب کو دیا اور اس سے گوشت لے لیا، تو یہ بیع جائز ہے دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں اور اگر وزن کرنے پر گوشت کو دو سیر سے کم پایا، تو کمی کے برابر درہم میں سے واپس لے سکتا ہے گوشت میں سے نہیں لے سکتا۔ کیونکہ بیع کا انعقاد اسی قدر پر ہوا جتنا اس نے دیا۔ اھ، (اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:) تو" مشتری کے قول کہ "ایک درہم کا کتنا گوشت ہے" جواب میں قصاب کے قول "دو سیر" اور پھر

مشتری کے قول کہ ’’تول دے‘‘ کو بیع نہیں بنایا، بلکہ تعاطی کو بیع قرار دیا گیا۔ اسی لئے مشتری کو یہ حق نہیں کہ اتنا گوشت طلب کرے جتنا قصاب نے اسے کم دیا۔

(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ133، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

عقد میں اصل مبیع وہی ہوتی ہے جس کی طرف عقد مضاف ہو

ثانیا:

کپڑے والی مثال میں کپڑے کے ہر ذراع کے بدلے عاقدین الگ ثمن طے کر کے ہر حصے کو جدا اور مستقل حیثیت دیتے ہیں اور یوں عقد کی نسبت ہر ذراع کی طرف بالقصد متحقق ہو جاتی ہے، جبکہ جانور کو جب وزن کر کے بیچا جاتا ہے، تو اس میں موجود خون و غلاظت وغیرہ کی طرف عقد کی نسبت نہیں کی جاتی، بلکہ خون و غلاظت کا تو اصلا ذکر ہی نہیں آتا، بلکہ عاقدین کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ ہم خون و غلاظت کی بھی بیع کر رہے ہیں۔ لہذا اگر عقد کی اضافت و نسبت کی طرف دیکھا جائے یا عاقدین کے مقصود و نیت کی طرف دیکھا جائے، تو کسی بھی طرح یہاں خون و غلاظت کو مبیع بالقصد شمار کرنا یا ثمن کا کچھ حصہ ان چیزوں کے مقابل شمار کرنا درست نہیں۔ لہذا ایسی بیع میں بھی عقد کی اضافت کے اعتبار سے یہی کہا جائے گا کہ یہ جانور کی بیع ہوئی ہے اور ثمن اس جانور کے بدلے میں ہے۔ ہاں اگر عاقدین یوں عقد کریں کہ جانور کا گوشت اتنے کے بدلے اور اس کا خون یا غلاظت اتنے کے بدلے، تو پھر ان چیزوں کو بالقصد مبیع قرار دینا لازم آئے گا لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔

عقد کا اصل محل وہ ہوتا ہے جس کی طرف عقد کی نسبت کی جائے اور جس کی طرف نسبت نہ ہو، لیکن وہ مبیع کا حصہ بنے، تو وہ تابع شمار ہوتا ہے، جیسا کہ مبیع کے زوائد پر بات کرتے

ہوئے علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ولو هلكت الزيادة بآفة سماوية لا يسقط شيء من الثمن بالإجماع، وإن كانت مبيعة عندنا؛ لأنها مبيعة تبعا۔۔۔ لأن العقد ما أضيف إليها وإنما يثبت حكم العقد فيها تبعا" ملتقطا اور اگر وہ زیادت کسی آفتِ سماوی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے، تو بالاجماع ثمن میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہو گا، اگرچہ ہمارے نزدیک وہ چیز بھی مبیع ہے، کیونکہ وہ بیچی گئی ضرور ہے، مگر تابع کے طور پر۔ کیونکہ عقد (کا اصل محل) وہ چیز ہے جس کی طرف عقد کو نسبت دی جاتی ہے، اور زوائد میں عقد کا حکم تبعاً (یعنی تابع کی حیثیت سے) ثابت ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 256، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مقصودی مبیع وہی ہوتی ہے جس کا عقد میں ذکر کیا گیا ہو جیسا کہ اگر زمین کی بیع یوں کی کہ اس میں موجود پھل دار درختوں کے پھلوں کا بھی بالقصد بیان کر کے عقد کیا، تو اب وہ پھل مقصودی مبیع بن جائیں گے، چنانچہ بدائع میں ہے: "ولو اشترى أرضا فيها أشجار مثمرة فإن كان عليها ثمر وسماه حتى دخل في البيع فالثمر له حصة من الثمن ۔۔۔ الكل معقود عليه مقصود لورود فعل العقد على الكل" اگر کسی نے ایسی زمین خریدی جس میں پھل دار درخت تھے۔ پھر اگر ان پر پھل بھی لگا تھا اور اس نے پھلوں کا بیع میں ذکر کر کے انہیں بیع میں شامل کر لیا، تو اس پھل کا بھی ثمن میں حصہ ہو گا۔ کیونکہ تمام اشیاء معقود علیہ اور مقصود بن گئی ہیں، اس لئے فعلِ عقد ان سب پر وارد ہوا ہے۔ (بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 257، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ایک نظیر یہ بھی ہے کہ کسی نے اپنا گھر بیچا، تو اس میں موجود عمارت بھی تبعاً شامل ہو جائے گی۔ اور اس کے بدلے میں ثمن کا کوئی حصہ قرار نہیں پائے گا۔ ہاں اگر عمارت کو بالقصد ذکر کر کے شامل کیا، تو پھر اس کے بدلے میں بھی ثمن کا حصہ مانا جائے گا۔ یونہی اگر لونڈی بیچی، تو اس کے بدن پر موجود کپڑے تبعا بیع میں شامل ہوں گے۔ ہاں اگر قصدا کپڑوں کا ذکر کر کے ان کو

بیع میں شامل کیا گیا، تو اب ان کے بدلے میں بھی ثمن قرار پائے گا۔

جامع الفصولین میں ہے:"شری أمة علیها ثیاب یباع مثلها فیها فاستحق ثوب منها أو وجد به عیباً لا یرجع المشتري علی بائعه بشيء لأنه دخل في البیع تبعاً لا قصداً وهذا لو لم یذکر الثیاب والشجر في البیع حتی دخلا تبعاً أما لو ذکرا کانا مبیعین قصداً لا تبعاً حتی لو فاتا قبل القبض بآفة سماویة تسقط حصتهما من الثمن"کسی نے ایک لونڈی خریدی جس پر ایسے کپڑے تھے جس طرح کے کپڑوں میں عام طور پر ان کی بیع کی جاتی ہے، پھر ان کپڑوں کا کوئی اور مستحق نکل آیا یا، اس میں کوئی عیب پایا گیا، تو خریدار بیچنے والے سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا کیونکہ وہ (کپڑے) بیع میں تبعاً داخل ہوئے تھے، قصداً نہیں۔ اور یہ صورت اس وقت ہے جب بیع میں کپڑوں کا اور باغ بیچنے میں درختوں کا ذکر نہ کیا گیا ہو، یہاں تک کہ وہ تبعاً داخل ہو گئے۔ البتہ اگر ان کا ذکر کر دیا گیا ہو، تو وہ قصداً مبیع ہوں گے، تابع نہ ہوں گے، یہاں تک کہ اگر وہ قبضے سے پہلے کسی آفتِ سماوی کی وجہ سے تلف ہو جائیں، تو ان کی قیمت کی مقدار ثمن سے ساقط ہو جائے گی۔ (جامع الفصولین، جلد1، صفحہ219، المطبعة الازهریه)

رد المحتار میں ہے:"والأوصاف ما یدخل في البیع بلا ذکر کبناء وشجر في أرض۔۔۔۔۔ في جامع الفصولین إذا ذکر البناء والشجر کانا مبیعین قصداً لا تبعاً"اور اوصاف وہ چیزیں ہیں جو بیع میں بغیر ذکر کے شامل ہو جاتی ہیں، جیسے زمین کی بیع میں تعمیرات اور درخت۔ اور جامع الفصولین میں ہے: اگر بیع میں عمارت اور درخت کا بھی ذکر کر دیا گیا تھا تو وہ قصداً مبیع ہوں گے، نہ کہ تابع کے طور پر۔ (ردالمحتار، جلد5، صفحہ207، دار الفکر، بیروت)

عمارت اور کپڑے تو خارج میں موجود ظاہر و قابل انتفاع مستقل چیزیں ہیں، لیکن بیع میں بالقصد ذکر نہ کرنے کی صورت میں ان کے بدلے میں ثمن نہیں ہوتا، تو جانور کے باطن میں موجود

خون و غلاظت کا ذکر کیے بغیر ان کے مقابل ثمن کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ جانور کے باطن میں موجود خون و غلاظت تو فی الحال معدوم کے درجے میں ہوتے ہیں، کماسیأتي۔

ثالثاً:

جانور کے اندر موجود خون و غلاظت کا معاملہ اور کپڑے کے ہر ذراع کا معاملہ ایک جیسا نہیں ہے۔ بلکہ کپڑے میں ہر ذراع ایک ایسی عین چیز ہے جو موجود و ظاہر ہے اور جداگانہ طور پر قابل انتفاع ہے۔ اس لیے وصف ہونے کے باوجود اسے اصل بنانا، ممکن ہے۔ جیسا کہ علامہ زیلعی لکھتے ہیں: "لأن الذراع وإن كان وصفا يصلح أن يكون أصلا؛ لأنه عين ينتفع به بانفراده فإذا سمى لكل ذراع ثمنا جعل أصلا وإلا فهو وصف" اس لیے کہ ایک ذراع اگرچہ ایک وصف ہے، مگر وہ بذاتِ خود قابلِ انتفاع عَین ہونے کی وجہ سے اصل (یعنی مستقل مبیع) بننے کے قابل ہے۔ پس اگر ہر ایک ذراع کے بدلے میں الگ قیمت مقرر کی جائے تو وہ "اصل" شمار ہو گا، ورنہ وہ محض ایک وصف ہی رہے گا۔ (تبیین الحقائق، جلد4، صفحہ6، المطبعة الكبرى الأميرية)

لیکن جانور کے باطن میں خون و غلاظت ایسی چیزیں ہیں، جو عرفاً معدوم ہیں۔ اسی فرق کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑے میں سے ایک معین ذراع بالقصد بیچے، تو یہ بیع درست ہو سکتی ہے، جبکہ بائع ایک ذراع جدا کر کے خریدار کے حوالے کر دے۔ لیکن زندہ جانور کے باطن میں موجود فقط خون یا اس کا کوئی بھی جزو جیسے کھال، چربی، پائے، گوشت وغیرہ بالقصد و جداگانہ طور پر بیچے تو یہ بیع باطل ہے، حتی کہ وہ جانور ذبح کر کے یہ چیزیں سپرد کر دے تب بھی بیع درست نہ ہو سکے گی، کیونکہ وقتِ عقد یہ معدوم ہیں۔ گندم میں موجود آٹے، کھجور میں موجود گٹھلی اور دودھ میں موجود مکھن / گھی کا بھی یہی حکم ہے کہ فی الحال یہ چیزیں معدوم ہیں اور ان کی بیع باطل

ہے۔

ردالمحتار میں ہے:” باع ما في هذا القطن من الحب، أو ما في هذا التمر من النوى فإنه لا يجوز۔۔۔النوى هناك معتبر عدما هالكا في العرف فإنه يقال هذا تمر وقطن، ولا يقال هذا نوى في تمره، ولا حب في قطنه۔۔۔وبما ذكرنا يخرج الجواب عن امتناع بيع اللبن في الضرع واللحم والشحم في الشاة والألية والأكارع والجلد فيها والدقيق في الحنطة والزيت في الزيتون والعصير في العنب ونحو ذلك حيث لا يجوز؛ لأن كل ذلك منعدم في العرف، لا يقال: هذا عصير وزيت في محله و كذا الباقي. اهـ.“ یعنی اگر کسی نے اس کپاس میں موجود دانے یا اس کھجور میں موجود گٹھلی کی بیع کی، تو یہ جائز نہیں۔۔۔کیونکہ گٹھلی کو عرف میں معدوم شمار کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ عرفاً یہ تو کہا جاتا ہے:"یہ کھجور ہے" یا "یہ کپاس ہے"، یہ نہیں کہا جاتا: "یہ گٹھلی ہے جو اپنی کھجور میں ہے" یا "یہ دانہ ہے جو کپاس میں ہے"(یعنی بول چال میں بھی نسبت کھجور و کپاس کی طرف ہوتی ہے، نہ کہ اندر موجود گٹھلی و دانے کی طرف۔)اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسی سے ان اشیاء کی بیع کے عدمِ جواز کا جواب نکلتا ہے ، جیسے: تھن میں موجود دودھ، بکری میں گوشت اور چربی، دم کی چربی، پاؤں، کھال، گندم میں موجود آٹا، زیتون میں تیل، انگور میں رس، اور اسی قسم کی دیگر چیزیں؛ کیونکہ یہ سب عرف میں معدوم شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ (انگور یا زیتون کے پھل کو دیکھ کر) یہ نہیں کہا جاتا کہ "یہ انگور کا شیرہ ہے یا زیتون کا تیل ہے جو اپنے محل میں ہے"، اور باقی اشیاء کا بھی یہی حکم ہے۔ انتہی۔ (ردالمحتار، جلد4، صفحہ559، دارالفکر، بیروت)

بدائع میں ہے:” ولا يجوز بيع الدقيق في الحنطة، والزيت في الزيتون، ۔۔۔لأن بيع الدقيق في الحنطة، والزيت في الزيتون، ونحو ذلك بيع المعدوم۔۔۔وبخلاف بيع الجذع في السقف، والآجر في الحائط، وذراع من كرباس أو ديباج أنه ينعقد حتى لو نزع، وقطع، وسلم

إلى المشتري يجبر على الأخذ، وههنا لا ينعقد أصلا حتى لو طحن أو عصر، وسلم لا يجبر المشتري على القبول؛ لأن عدم النفاذ هناك ليس لخلل في الركن، ولا في العاقد، والمعقود عليه بل لمضرة تلحق العاقد بالنزع، والقطع فإذا نزع، وقطع فقد زال المانع فنفذ أما ههنا فالمعقود عليه معدوم حالة العقد. ولا يتصور انعقاد العقد بدونه فلم ينعقد أصلا فلا يحتمل النفاذ فهو الفرق، وكذا بيع البزر في البطيخ الصحيح؛ لأنه بمنزلة الزيت في الزيتون، وبيع النوى في التمر، وكذلك بيع اللحم في الشاة الحية؛ لأنها إنما تصير لحما بالذبح، والسلخ فكان بيع المعدوم فلا ينعقد، وكذا بيع الشحم الذي فيها، وأليتها وأكارعها، ورأسها لما قلنا" گندم میں موجود آٹا، زیتون میں موجود تیل کی بیع جائز نہیں۔ کیونکہ گندم میں آٹا، زیتون میں تیل وغیرہ کی بیع، معدوم (یعنی غیر موجود) چیز کی بیع ہے۔ یہ اس کے برخلاف ہے اگر کوئی چھت میں موجود شہتیر، دیوار میں لگی ہوئی اینٹ، یا کسی کپڑے یا دیباج میں ایک گز کی بیع کرے، تو یہ عقد منعقد ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ چیز نکال کر، کاٹ کر، خریدار کو دے دے، تو خریدار کو لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن یہاں (یعنی آٹے، تیل وغیرہ کی بیع میں) عقد سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اگر وہ پیس کر آٹا نکال لے یا نچوڑ کر تیل نکال لے اور خریدار کو دے تو خریدار کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ وہاں (پہلی صورتوں میں) عقد کے عدمِ نفاذ کی وجہ یہ نہیں کہ رکن، عاقد، یا معقود علیہ میں کوئی خلل ہے، بلکہ اس لیے کہ نکالنے اور کاٹنے میں عاقد کو ضرر پہنچتا ہے، اور جب وہ مانع دور ہو جائے تو عقد نافذ ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں (آٹے، تیل وغیرہ کی بیع میں) معقود علیہ عقد کے وقت معدوم ہوتا ہے، اور اس کے بغیر عقد کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے عقد سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا، تو اس میں نفاذ کا احتمال بھی نہیں ہوتا، یہی فرق ہے۔ اسی طرح صحیح تربوز میں موجود بیج کی بیع بھی ناجائز ہے، کیونکہ وہ بھی زیتون میں تیل، یا کھجور

میں گٹھلی کے حکم میں ہے۔ اسی طرح زندہ بکری میں گوشت کی بیع بھی، کیونکہ وہ ذبح اور کھال اتارنے کے بعد ہی گوشت بنتی ہے، تو یہ بھی بیع المعدوم ہے، اس لیے منعقد نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس میں موجود چربی، دُم کی چربی، پاؤں اور سر کی بیع بھی اسی بنا پر ناجائز ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا۔ (بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 139، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان جزئیات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس طرح کھجور کے اندر اس کی گٹھلی کی حیثیت کالعدم ہے، اسی طرح جانور کے باطن میں موجود خون و غلاظت عرفاً معدوم چیزیں ہیں۔ اور جس طرح کھجور وزن سے خریدی جائے، تو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے کھجوریں اور کھجور کی گٹھلیاں خریدی ہیں، اسی طرح جانور وزن کے ساتھ خریدا جائے، تو یہ ہرگز نہیں کہا جاتا کہ اس نے جانور اور اس کے اندر موجود خون و غلاظت خریدے ہیں، بلکہ یہی کہا جاتا کہ یہ جانور خریدا ہے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ عاقدین اگرچہ وزن کے ساتھ جانور خریدیں تب بھی عاقدین کی نظر میں خون و غلاظت وغیرہ چیزیں کالعدم ہوتی ہیں اور عقد کرتے وقت کسی کا ذہن ان چیزوں کی طرف اصلاً ملتفت نہیں ہوتا اور عاقدین یہی قصد کرتے ہیں کہ یہ ثمن ہم جانور کے بدلے دے رہے ہیں (اور خون و غلاظت کے بدلے لین دین کی نہ صراحت ہوتی ہے اور نہ قصد) تو پھر یہ بات فقہ سے کتنی بعید ہے کہ ہم یہ کہیں کہ عاقدین نے خون و غلاظت کو مقصودی مبیع بنایا ہے اور ان کے مقابل ثمن کا لین دین کیا ہے۔

اگر بر سبیلِ تنزل عقد میں وجہِ صحت اور وجہِ فساد دونوں پہلو تسلیم کر لئے جائیں تب بھی ایسے مواقع پر ہونا یہ چاہیے کہ عقد کو وجہِ صحت پر محمول کیا جائے نہ یہ کہ عاقدین کے قصدِ صحت کو کالعدم قرار دے کر وجہِ فاسد پر عقد کو محمول کیا جائے۔ کیونکہ فقہائے کرام کا داب (طریقہ / انداز) یہی ہے کہ حتی الامکان عقود کی تصحیح کرتے ہیں اور عقود کو وجہِ صحت پر محمول

کرتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور مسئلہ ہے کہ جب ایک طرف " 2 درہم و 1 دینار " ہو اور دوسری طرف " 2 دینار اور 1 درہم " ہو تو فقہاء اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں اور تصحیحاللعقد دینار کو مقابل میں آنے والے درہم کا بدل قرار دیتے ہیں۔

امام اہل سنت سیدی اعلی احضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن منی آرڈر والے مسئلے پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "عجب عجب ہزار عجب کہ عاقدین ایک منفعت مقصودہ جائزہ پر قصد اجارہ کریں، عوض منفعت جو کچھ دیں اور اسے اجرت ہی کہیں اجرت ہی سمجھیں اور خواہی نخواہی ان کے قصد جائز کو باطل کرکے اس اجرت کو معاوضہ قرض وربا قرار دیں، شرع مطہر میں معاذاللہ اس حکم کی کوئی نظیر ہے، حاشاللہ بلکہ شرع میں مہما امکن تصحیح کلام وعقود پر نظر رہتی ہے کما لایخفی علی من خدم الفقہ نہ کہ زبردستی ابطال وافساد وایقاع فی الفساد، پر کہ صراحتاً عکس مراد شرع ہے۔ ایک ہلکی سی مثال پیش پاافتادہ یہی ہے کہ دس روپے دوآنے کے عوض دوروپے دس آنے خریدیں تومالیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے ملائے، تووہ عین ربا مگر شرع مطہر جنس کو خلاف جنس کے طرف صرف فرماکرربا سے بچاتی ہے۔" کما نصوا علیہ قاطبۃ" (فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ566، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

رابعا:

اور اگر پھر بھی اس پر اصرار ہو کہ فی کلوریٹ طے کرنے کی وجہ سے یہ لازم آرہاہے کہ جانور کے باطن میں موجود خون وغلاظت بالقصد مبیع بھی بن گئے اور ان کے مقابل ثمن بھی آگیا، توپھر فی کلو کے حساب سے کھجور خریدنا بھی جائز نہیں ہوسکے گا۔ کیونکہ جب فی کلو کے حساب سے کھجور کا دام لگے گا، تو اشکال میں بیان کردہ اصول کے مطابق لا محالہ دام کا کچھ حصہ کھجور میں موجود

گٹھلی کے بدلے بھی ہو جائے گا اور گٹھلی کا بالقصد بیچنا بھی لازم آئے گا۔ حالانکہ ہم اوپر جزئیات سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ کھجور کے اندر موجود گٹھلی کی بالقصد بیع کرنا، جائز نہیں ہے۔

پھر اگر آپ یہ کہیں کہ کھجور کی وزن کے ساتھ بیع میں اصل کھجور ہے اور باطن میں موجود گٹھلی تبعاً وضمناً ہے، تو ہم یہ کہیں گے کہ جانور کی وزن کے ساتھ بیع میں بھی جانور اصل ہے اور باطن میں موجود خون و غلاظت تبعاً ہے۔ تو جیسے کھجور کی بیع وزن کے ساتھ درست ہے ویسے ہی جانور کی بیع وزن کے ساتھ درست ہے۔

خلاصہ یہ کہ جانور کی وزن کے ساتھ بیع کرنے میں یہ سمجھ لینا کہ اس طرح خون و غلاظت کی بیع بھی بالقصد ہو رہی ہے اور دام کا کچھ حصہ خون و غلاظت کے بدلے لیا اور دیا جا رہا ہے، یہ ہرگز درست نہیں۔ اور اس کو "کل ذراع بدرھم" والی بیع کی طرح سمجھ لینا بھی محض ایک شبہہ ہے۔ کیونکہ کپڑے کے ایک ذراع میں اور زندہ جانور کے باطن میں موجود خون و غلاظت میں بہت فرق ہے، لہٰذا ایک کا دوسرے پر قیاس درست نہیں۔

عقد میں جس کی طرف نسبت ہوتی ہے، وہی چیز اصل و مقصود ہوتی ہے۔ اور جس کی طرف عقد منسوب نہ ہو وہ اگرچہ مبیع کا حصہ بنے لیکن وہ ضمنی و تبعی ہی رہتا ہے۔

کیا زندہ جانور بیع سلم کے طور پر بیچنا درست ہے؟

نوٹ:

اوپر مذکور تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ زندہ جانور کی وزن کے ساتھ خرید و فروخت درست ہے۔ لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ یہ اسی وقت ہے، جب متعین جانور کی خرید و فروخت کی جائے۔ لہٰذا اگر مجلس عقد میں جانور کا تعین نہیں کیا اور یوں معاہدہ کیا کہ جانور کے اوصاف وغیرہ

طے کر کے جانور کا تعین بعد تک مؤخر کر لیا جس طرح بیع سلم میں مبیع مؤخر ہوتی ہے، تو اس طرح جانور کی خرید و فروخت جائز نہیں ، اگرچہ جنس نوع وصف اور وزن وغیرہ چیزیں طے کر لیے ہوں۔ کیونکہ جانور ان عددی متفاوت چیزوں میں سے ہے، جن کے جملہ اوصاف کی ایسی معرفت نہیں ہو پاتی کہ جس سے نزاع کا امکان ختم ہو جائے۔ اسی لئے جانور کی بیع سلم درست نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے:" (ولا يجوز السلم في الحيوان) وقال الشافعي -رحمه الله-: يجوز لأنه يصير معلوما ببيان الجنس والسن والنوع والصفة، والتفاوت بعد ذلك يسير فأشبه الثياب. ولنا أنه بعد ذكر ما ذكر يبقى فيه تفاوت فاحش في المالية باعتبار المعاني الباطنة فيفضي إلى المنازعة"(اور جانور میں بیع سلم جائز نہیں) اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جائز ہے، کیونکہ جنس، عمر، قسم اور صفت کو بیان کرنے سے وہ معلوم ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد کا تفاوت معمولی ہوتا ہے، لہٰذا وہ کپڑوں کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے (یعنی حنفیہ کے) نزدیک وجہ یہ ہے کہ ان تمام اوصاف کے ذکر کے بعد بھی اس کی مالی حیثیت میں باطنی صفات کی وجہ سے بہت زیادہ تفاوت باقی رہتا ہے، جس سے جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(الهدایہ، کتاب البیوع، جلد3، صفحہ 71، دار احیاء التراث العربي، بیروت)

فتح القدیر میں ہے:"بل هو بعد ذلك مما يصير معه تفاوت فاحش، فإن العبدين المتساويين سنا ولونا وجنسا يكون بينهما من التفاوت في حسن الشيمة والأخلاق والأدب وفهم المقاصد ما يصيره بأضعاف قيمة الآخر، وكذا بين الفرسين والجملين "حقیقت یہ ہے کہ اوصاف کے ذکر کے باوجود دو حیوانوں میں فاحش تفاوت (یعنی بہت زیادہ فرق) باقی رہتا ہے۔ چنانچہ دو غلام، جو عمر، رنگ اور نسل میں برابر ہوں، ان کے درمیان سیرت، اخلاق، آداب، اور مقاصد کو سمجھنے کی صلاحیت میں ایسا فرق ہو سکتا ہے کہ ایک کی قیمت دوسرے سے کئی گنا زیادہ ہو

جائے۔ اسی طرح دو گھوڑوں یا دو اونٹوں کے درمیان بھی یہی صورت ہو سکتی ہے۔

(فتح القدیر، جلد 7، صفحہ 77، دار الفکر، بیروت)

ہاں اگر جانور کی بیع سلم میں کوئی ایسی صورت سامنے آئے کہ جہاں جانور کے باطنی صفات و امور کی وجہ سے بھی قیمت میں تفاوت فاحش کی صورت نہ بنتی ہو، تو اس پر فقہی دلائل کی روشنی میں غور کیا جا سکتا ہے۔

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح

مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــه

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد ساجد عطاری

25 شوال المکرم 1446ھ/24 اپریل 2025ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علم دین سیکھنا بہت ضروری ہے

آج تجارت اور کمائی کی صورتیں اور ذرائع اتنے زیادہ بڑھ چکے ہیں کہ حلال اور حرام میں فرق کرنا مشکل ہو چکا ہے۔ ایسے حالات میں ایک مسلمان کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے کاروبار، تجارت، نوکری و کمائی کے ذرائع کے متعلق ضروری شرعی علم حاصل کرے اور حرام سے بچ کر حلال روزی حاصل کرے۔

الحمد للہ! اب آپ مرکز الاقتصاد الاسلامی (لاہور) کے ذریعے ماہر و مستند مفتیانِ کرام سے آفس میں تشریف لا کر یا آن لائن میٹنگ شیڈول کر کے اپنے کاروباری معاہدات (کاروبار، پارٹنرشپ، انویسٹمنٹ، مارکیٹنگ وغیرہ) کی شرعی رہنمائی (Sharia Guidance) کی سہولت حاصل کر سکتے ہیں۔

Admin No:03000113931

(Timing : 10 Am to 4 PM)

اس فون نمبر پر سوالات کے جوابات نہیں دیے جاتے۔

Email: iec.lhr@daruliftaahlesunnat.net

ایڈریس: E-1،171 بلاک، فیضان نوری رضوی مسجد، جوہر ٹاؤن، لاہور، پاکستان

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی

+92 21 111 25 26 92 / 0313-1139278

www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net

feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net